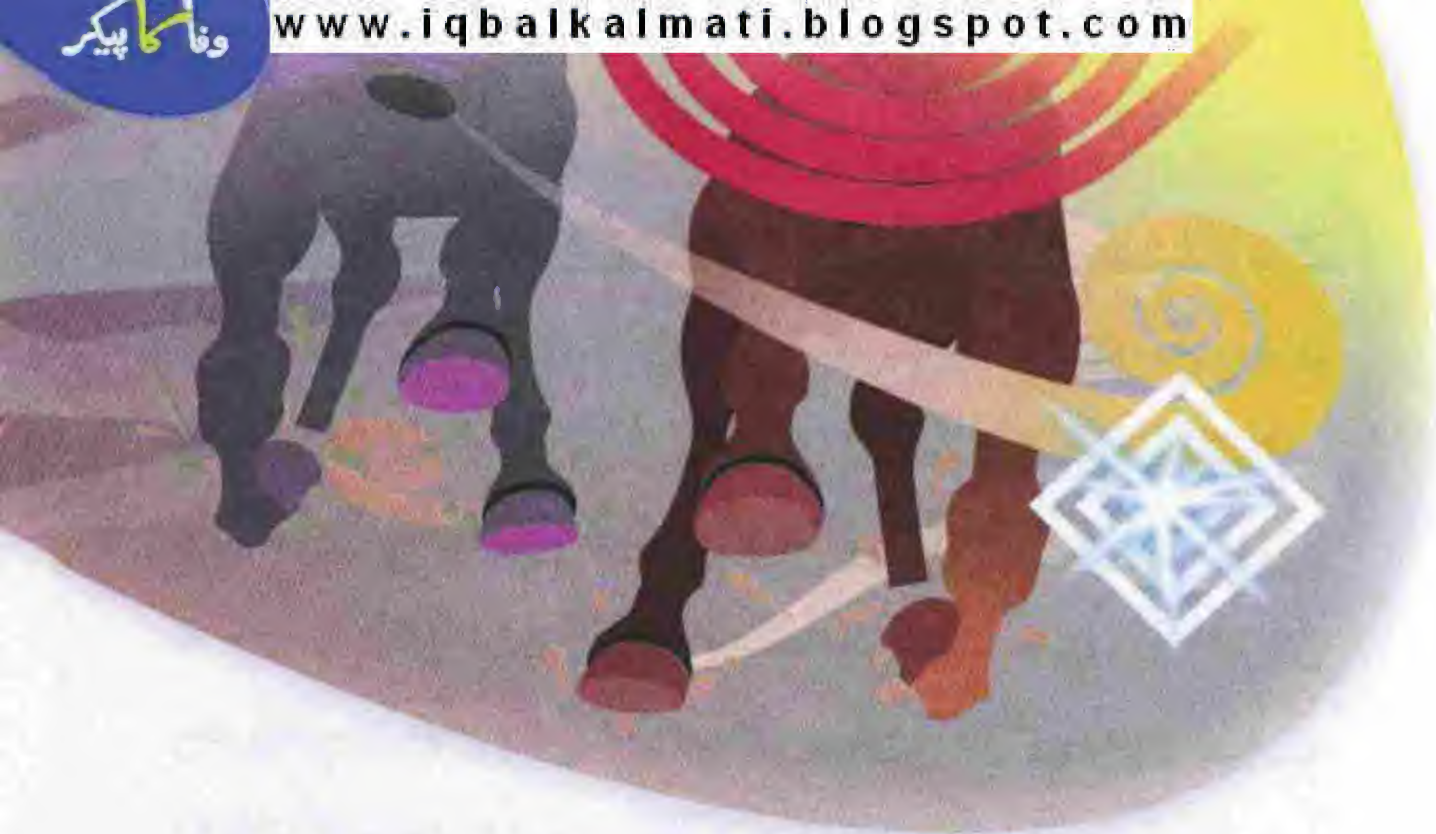
سلسلہ دورِ نبوت کے بچے 9

وفا کا پیکر

اُسامہ بِن زَید رضی اللہ عنہما



اشفاق احمد خاں



وہ کھیل کود میں مصروف تھا۔ اُسے اپنے گرد و پیش کی کچھ خبر نہ تھی۔ بڑے عرصے کے بعد تو اُسے گھومنے پھرنے اور کھیلنے کا موقع ملا تھا۔ اُس کی والدہ اُسے ہر وقت اپنی نگاہوں میں رکھتی تھیں۔ لیکن یہاں ایسا نہیں تھا۔ وہ اپنے نانا کے پاس آیا ہوا تھا۔ اور بچے اپنے ننھیال میں جو آزادی پاتے ہیں وہ کہیں اور کیسے نصیب ہوسکتی ہے۔ وہ بچہ اس آزادی کا بھرپور فائدہ اُٹھاتے ہوئے گھر سے کچھ فاصلے پر کھیل میں مصروف تھا۔ اچانک اُس کے کانوں میں گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز پڑی۔ وہ چونک گیا۔ دور گرد و غبار کے بگولے اُٹھ رہے تھے۔ یہ گرد و غبار رفتہ رفتہ اُس کے قریب آتا گیا۔ گرد چھٹی تو کرخت چہروں والے گھڑسوار نمودار ہوئے۔ اُن کے گھوڑے طرح طرح کے مال سے لدے ہوئے تھے۔

وہ بچہ بہت حیران ہوا۔ تاجر تو ہمیشہ اونٹوں پر اپنا مالِ تجارت لے کر جاتے تھے۔ یہ پہلے تاجر تھے جو گھوڑوں پر مال لے جا رہے تھے۔ لیکن وہ جا کہاں رہے تھے...... وہ تو اُس کے پاس آ کر رُک گئے۔ اُن کے چہروں سے خباثت ٹپک رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اُن میں سے چند ایک نیچے اُترے اور اُس کی طرف بڑھے۔ بچہ خوفزدہ ہو گیا۔ ان کے ارادے ٹھیک نہیں لگ رہے تھے۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ کر پاتا، یا اُس کے حلق سے کوئی آواز نکلتی، انھوں نے اسے دبوچا اور گھوڑے پر لاد کر یہ جا وہ جا! کسی کو بھی اس سانحے کی خبر نہ ہو سکی۔

یہ گھڑسوار قبیلہ بنو قین بن جسر سے تعلق رکھتے تھے۔ اُن کا کام ہی لوٹ کھسوٹ اور مار دھاڑ تھا۔ کوئی اُن کے ہتھے چڑھ جاتا تو اُسے غلاموں کے بازار میں فروخت کر دیتے۔ جس بچے کو انھوں نے اغوا کیا تھا اُس کا نام زید تھا۔ اُس وقت اُس کی عمر صرف دس سال تھی۔ زید کو عُکاظ کے بازار میں لایا گیا۔ یہ جگہ تجارت کے لیے بہت مشہور تھی۔ لوگوں کی اکثریت خرید و فروخت کے لیے اُس بازار کا رُخ کرتی تھی۔

زید فروخت ہونے کے لیے کھڑا تھا۔ یاد رہے، یہ وہ دور تھا جب انسان بھی جانوروں اور مویشیوں کی طرح بکتے تھے۔ آزاد انسانوں کو غلام بنا کر اُن کی زندگی ہمیشہ کے لیے تاریک بنا دی جاتی تھی۔ عُکاظ کے بازار میں، زید حسرت و بے چارگی کی تصویر بنا کھڑا تھا۔ اُس کے معصومیت سے بھرے بچپن



کے دن اُس کے دل کو تڑپا رہے تھے۔ اُس نے تو کبھی خواب میں بھی نہ سوچا تھا کہ اُس کے ساتھ ایسا ہوگا۔ ابھی تو اُس کے کھیلنے کودنے کے دن تھے۔ آرزوؤں اور خواہشات کی دنیا میں مگن رہنے کے دن تھے۔ اُن ظالموں نے اُس کے خوابوں کی دنیا ہی لوٹ لی تھی۔ اُس سے اُس کے پیارے رشتے چھین لیے تھے۔

''شاید، اب میں کبھی اپنے پیاروں کی آواز نہ سن سکوں۔'' زید نے آنسو بہاتے ہوئے سوچا۔ یہ اُس کے ساتھ کیسی اَن ہونی ہوگئی تھی۔ اپنے خاندان سے دور جانوروں کی طرح بکاؤ مال بن کے کھڑا تھا۔ زید دل میں سوچ رہا تھا کہ بکنا تو اب مقدر ہو ہی گیا ہے، کاش! کوئی ایسا مالک ملے جو اُس سے پیار محبت اور شفقت سے پیش آئے۔ کہتے ہیں زندگی میں کچھ لمحات ایسے بھی آتے ہیں جب دل کی خواہش آناً فاناً پوری ہو جاتی ہے۔ زید کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔



عکاظ کے بازار میں ایک شریف النفس خریدار آ ہی گیا۔ زید کی اُس پر نظر پڑی تو اُس کی نگاہوں میں چمک سی آ گئی۔ حسب نسب سے وہ واقعی کسی اچھے قبیلے سے لگتا تھا۔ شرافت کی روشنی اُس کے

چہرے سے عیاں تھی۔ زید دل ہی دل میں تمنا کرنے لگا کہ کاش! وہ اُسے خرید لے۔ وہ آدمی چلتے چلتے، اِدھر اُدھر چیزوں کا جائزہ لیتے ہوئے جب زید کے پاس پہنچا تو ٹھٹھک کر رہ گیا۔ اُس کم سن بچے کو دیکھ کر اُسے حیرت ہوئی، نہ جانے کس گلشن کا یہ پھول تھا۔ نہ جانے ظالموں نے کس ماں کی گود کو اجاڑا تھا۔ زید کی معصومیت اُسے اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ اُنہیں تمنا اور خواہش تو نہیں تھی پھر بھی اُنہوں نے زید کو خرید لیا۔ یوں وہ زید کے مالک بن گئے۔

زید کا مالک کوئی معمولی آدمی نہیں تھا۔ اُس کا نام حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ تھا۔ وہی حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی بیوی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے تھے۔ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ زید کو اپنے گھر لے آئے۔ زید کے چہرے سے نیکی اور شرافت نمایاں تھی۔ اس لیے وہ اپنے مالک کے چہیتے بن گئے۔

ایک دفعہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنے بھتیجے سے ملنے کے لیے گئیں۔ وہاں اُنہوں نے زید (رضی اللہ عنہ) کے طور طریقے دیکھے۔ اُمّ المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے سب کے سامنے اُس بچے کی تعریف کی کہ یہ بچہ کس قدر عمدہ اخلاق کا مالک ہے۔ کتنی خوش اسلوبی سے کام انجام دیتا ہے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ابھی وہاں سے واپس آئی ہی تھیں کہ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے زید کو اُن کی خدمت میں بطور تحفہ بھیج دیا، اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے یہ تحفہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ یوں زید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے۔

زید رضی اللہ عنہ کے والد کا نام حارثہ بن شراحیل تھا۔ اُن کا تعلق قبیلہ کلب سے تھا۔ قسمت نے اُنھیں خادم بنا کر بارگاہِ نبوی میں پہنچا دیا۔ وہیں اُن کی تربیت اور پرورش ہوئی۔ زید رضی اللہ عنہ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنا قریبی تعلق تھا کہ آپ نے ان کو یہ بشارت دی کہ جس طرح تم دنیا میں میرے ساتھ ہو جنت میں بھی میرے ساتھ ہو گے۔ اس جلیل القدر ہستی زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ہاں اُس بیٹے نے جنم لیا جس کا ذکر ہم کرنے جا رہے ہیں۔

اُسامہ رضی اللہ عنہ، زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے کا نام تھا۔ اُن کی پیدائش اُس وقت ہوئی جب دینِ حق کی دعوت و تبلیغ کا کام اپنا راستہ ہموار کر رہا تھا۔ جزیرۂ عرب میں شرک کے بت پاش پاش ہو رہے تھے۔



اُسامہ رضی اللہ عنہ نے اُس گھرانے میں پرورش پائی جو زمانے میں اپنی مثال آپ تھا۔ اُن والدین سے تربیت پائی جن کا شمار مومنین میں ہوتا تھا۔ اُن سے اسلامی تعلیمات اور اعلیٰ اخلاق سیکھے۔ بچپن ہی سے قرآن حفظ کرنا شروع کر دیا۔ اُسامہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والدین کے

ہمراہ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ بچپن ہی سے آپ کو جہاد کا بہت شوق تھا۔ جب انھوں نے سنا کہ مسلمان' کفار سے جنگ کی تیاری کر رہے ہیں تو اُن کے دل میں بھی جذبہ بیدار ہو گیا۔ یہ بدر کے معرکے کی تیاری تھی۔ اُسامہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد سے اس جنگ میں شرکت کی اجازت طلب کی۔ زید رضی اللہ عنہ نے حیرت سے کم سن بیٹے کو دیکھا اور فرمایا:

''تم تلوار تو اُٹھا نہیں سکتے' جہاد کیسے کرو گے؟''

اُسامہ رضی اللہ عنہ نے عاجزی کے ساتھ سر جھکا کر کہا:

''اگر میں تلوار اُٹھانا نہیں جانتا تو کیا ہوا! میں تیر تو چلا سکتا ہوں۔''

زید رضی اللہ عنہ بولے: ''مجھے دشمنوں کے گھوڑوں اور اُن کی تلواروں کا ڈر ہے۔'' یعنی ان سے تمھیں نقصان نہ پہنچ جائے۔ ''اس لیے بیٹا' ابھی صبر کرو' جب تم جوان ہو جاؤ گے، پھر جہاد جیسا اہم فریضہ انجام دینا۔''

جنگ اُحد کے موقع پر اسامہ رضی اللہ عنہ کی عمر گیارہ برس تھی۔ جب انھوں نے دیکھا کہ مسلمان جہاد کے لیے نکل رہے ہیں تو انھوں نے بھی اپنی تلوار اُٹھائی اور مجاہدین سے جا ملے۔ اُس دن کا منظر دیکھنے کے قابل تھا۔ اسامہ رضی اللہ عنہ' اپنے قد سے بھی بڑی تلوار اُٹھائے گھوم رہے تھے۔ اُن کو دیکھ کر ہر کوئی پوچھتا کہ یہ بچہ کون ہے؟ اسے میدان جنگ میں کون لے کر آیا ہے؟ یہ تو اچھی طرح سے اپنی تلوار بھی نہیں اُٹھا سکتا، لڑائی کیسے کر سکتا ہے؟ لیکن جب مجاہدین کو یہ معلوم ہوا کہ وہ بچہ خود



ہی اپنی مرضی سے، دینی جذبے کے ساتھ جہاد میں حصہ لینے آیا ہے تو وہ اَش اَش کر اُٹھے۔ لیکن ان کی کم عمری کو دیکھتے ہوئے مجاہدین نے انھیں میدان جنگ سے واپس کر دیا۔ ان کو سمجھایا ''ابھی دشمنوں سے جہاد کے لیے بہت سے میدان سجیں گے۔ جب تم جہاد میں حصہ لینے کے قابل ہو جاؤ گے، تلوار چلانے میں مہارت حاصل ہو جائے گی، نیزہ پھینکنے کا فن اور لڑائی کے دیگر طریقوں پر دسترس حاصل ہو جائے گی، پھر تم میدان جنگ میں آؤ تو اچھا ہے۔''

اُسامہ رضی اللہ عنہ کے اندر جہاد کا یہ ذوق شوق اور تڑپ ان کے والد زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے پیدا کی تھی۔ وہ جب بھی جنگ سے واپس آتے، اسامہ رضی اللہ عنہ کو تمام جنگی تفصیل سے آگاہ کرتے کہ کس طرح مسلمانوں نے دورانِ جنگ بہادری دکھائی۔ مسلمانوں کے حیران کن کردار کے ہر پہلو پر روشنی ڈالتے اور جہاد سے ان کی محبت کا تذکرہ کرتے۔ اس محبت نے ان کے دل سے موت کا خوف، اہل و عیال کا پیار اور دنیا کی محبت کو بھلا دیا تھا۔ ان واقعات سے اسامہ رضی اللہ عنہ کے دل میں جہاد کا جذبہ



زوروں پہ آ جاتا۔ ان واقعات اور قصص نے واقعی اسامہ رضی اللہ عنہ کو جہاد سے شدید محبت کی طرف مائل کر دیا تھا۔ زید رضی اللہ عنہ کی دلی خواہش تھی کہ ان کا بیٹا اسامہ رضی اللہ عنہ آنے والے دنوں میں ایک عظیم مجاہد بن جائے۔ ایک بے مثال قائد ثابت ہو اور اسلام کے بہادروں میں سے ایک بہادر بنے۔ اُن کی کوششیں رنگ لائیں اسامہ رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے ان ساری خوبیوں سے نوازا۔

اسامہ رضی اللہ عنہ کی رنگت سیاہ تھی۔ لیکن اسلام میں بزرگی' عزت اور بلندی شکل صورت اور رنگ و نسل کی بنیاد پر نہیں ملتی۔ یہ دینِ اسلام کا کرشمہ ہے، ایمان کی طاقت اور تقویٰ و پرہیز گاری کا نتیجہ ہے جس نے ایک ایسے آدمی کو عظمت کی بلندیوں پر پہنچا دیا جس کا تعلق نہ تو کسی بہت بڑے خاندان سے تھا اور نہ وجاہت اور خوبصورتی کا پیکر تھا۔ بے شک زید رضی اللہ عنہ کی رنگت سفید تھی۔ لیکن اُسامہ رضی اللہ عنہ کا رنگ ان پر نہیں گیا تھا، پھر بھی ذاتی خوبیوں کی بنا پر وہ ایک بلند مقام پا گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں قریش کے بڑے بڑے لوگوں کا امیر مقرر کر دیا تھا اور بڑے بڑے صحابہ کرام اور صاحب علم ان کے جھنڈے تلے رہے۔

اسامہ رضی اللہ عنہ دبلے پتلے جسم کے مالک، لیکن بہت ہوشیار اور بہادر صحابی تھے۔ اللہ کے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی پرورش کی اور اُن سے انتہائی محبت کی۔ ہشام بن عروہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد سے روایت بیان کرتے ہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم



نے اُسامہ رضی اللہ عنہ کی وجہ سے حج کے موقع پر طواف میں تاخیر کردی۔ اسامہ رضی اللہ عنہ کا انتظار کرتے رہے۔ جب وہ پہنچے تو لوگوں نے حیرت سے کہا کہ ہم صرف اس کی وجہ سے یہاں اتنی دیر انتظار کرتے رہے۔ یہ بات کہنے والے یمن کے لوگ تھے۔ یہی وہ لوگ تھے جو ایمان کی کمزوری کی بنا پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آغاز میں مرتد ہو گئے تھے۔ اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بے شک اُسامہ رضی اللہ عنہ کا رنگ سیاہ تھا، اُن کی ناک بیٹھی ہوئی تھی، اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بہت زیادہ پیار کرتے تھے۔

اسامہ رضی اللہ عنہ کے والد زید رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنا قریب تھے، یہ تو ہم جان ہی چکے ہیں، وہ واقعی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بہترین خادم، عمدہ رفیق اور قابلِ رشک ساتھی تھے۔ زید رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو اس راہ پر چلایا جس پر چل کر انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت حاصل ہو جائے اور واقعی انھیں یہ اعزاز نصیب ہوا۔ اُسامہ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں:





”اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اور حسن رضی اللہ عنہ کو پکڑتے اور پھر اللہ کے حضور دعا

کرتے: ''اے میرے پروردگار! میں ان دونوں سے پیار کرتا ہوں، تو بھی ان سے پیار فرما!''

عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے بتایا: ''ایک دفعہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: 'آپ کے خاندان میں سب سے زیادہ، آپ کو محبوب کون ہے؟'

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'فاطمہ (رضی اللہ عنہا)' سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: 'اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرا پوچھنے کا مقصد یہ تھا کہ مردوں میں کون زیادہ محبوب ہے؟'

فرمایا: 'جس پر اللہ نے انعام کیا اور جس پر میں نے انعام کیا ہے یعنی اسامہ بن زید (رضی اللہ عنہما)۔' سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: 'ان کے بعد آپ کو زیادہ محبوب کون ہے؟'

فرمایا: 'آپ ...... اے علی (رضی اللہ عنہ)!''

شعبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اسامہ رضی اللہ عنہ سے نفرت کرے، جس نے اللہ کے رسول کا یہ فرمان سنا ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اُسے چاہیے کہ وہ اسامہ سے محبت کرے۔''

اس کے علاوہ، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بنومخزوم کی عورت کی چوری کے حوالے سے فرمایا: جب مخزومیہ عورت نے چوری کی تو لوگوں نے کہا: کون ہے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ انھیں خیال آیا کہ اس کے



لائق صرف اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما ہی ہیں جو اللہ کے رسول سے بات کر سکتے ہیں کیونکہ وہ اللہ کے رسول کے محبوب ہیں۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''ایک مرتبہ اسامہ رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا گیا، لوگوں نے آپ کی امارت کے متعلق باتیں کیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'جس طرح آج ان کی امارت پر اعتراض کیا گیا ہے اسی طرح ان کے باپ کی امارت پر بھی اعتراض کیا گیا تھا۔ اللہ کی قسم! وہ امارت کے لائق تھا۔ وہ مجھے سب سے پیارا تھا اور اس کے بعد ان کا یہ بیٹا (اسامہ) بھی سب سے پیارا ہے۔''

فتح مکہ کے تاریخ ساز موقع پر جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کے ساتھ دس ہزار مسلمان تھے۔



اسی مکہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی خاطر ہجرت کی تھی۔ مکہ چھوڑتے وقت انھوں نے بڑے دکھ کے ساتھ کہا تھا:

''اے مکہ! میں تجھے چھوڑنا نہیں چاہتا، لیکن میرے ہم وطن مجھے مجبور کر رہے ہیں۔''

آج اسی مکہ میں فاتح بن کر داخل ہو رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفید خچر پر سوار

تھے اور اس خچر پر آپ ﷺ کے پیچھے ایک گندمی رنگت کا نوجوان بیٹھا تھا۔ لوگوں کی آنکھوں میں حیرت اور سوال تھے کہ یہ کون شخص ہے جو اتنے تاریخی موقع پر نبیٔ اکرم ﷺ کے پیچھے بیٹھا ہے اور جسے آپ ﷺ نے اتنا بڑا اعزاز بخشا ہے۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ اسامہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ جب آپ ﷺ بیت اللہ میں داخل ہوئے تاکہ دو رکعت نفل ادا کریں، اس وقت آپ ﷺ کے ہمراہ اسامہ بن زید بلال اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ کوئی بیت اللہ میں داخل نہیں ہوا۔

اسامہ رضی اللہ عنہ بہت متقی، پرہیزگار، اللہ کا خوف رکھنے والے، زبان کی حفاظت کرنے والے اور سچائی کے پیکر صحابیٔ رسول تھے۔ آپ کے ساتھی صحابہ نے آپ کے تقویٰ اور پرہیزگاری کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ اُسامہ رضی اللہ عنہ کا ایک غلام بیان کرتا ہے: ''اسامہ رضی اللہ عنہ جب اپنے مال و اسباب کی طرف سوار ہو کر وادیٔ قری جاتے تو راستے میں سوموار اور جمعرات کا روزہ رکھتے۔ میں نے کہا: 'آپ سفر میں بھی سوموار اور جمعرات کا روزہ رکھتے ہیں، حالانکہ آپ اس وقت بڑھاپے کی عمر کو پہنچ چکے ہیں اور کمزور بھی ہو گئے ہیں۔' میری بات کا جواب دیتے ہوئے انھوں نے فرمایا: 'رسول اللہ ﷺ سوموار اور جمعرات کا روزہ رکھا کرتے تھے اور آپ ﷺ ہی کا فرمان ہے کہ ان دو دنوں میں لوگوں کے اعمال اللہ کے ہاں پیش کیے جاتے ہیں۔''

اسامہ رضی اللہ عنہ گناہوں سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے۔ اگر کبھی ان



سے غلطی سرزد ہو جاتی تو اس پر اتنا پشیمان ہوتے تھے کہ بار بار توبہ کرتے اور کوشش کرتے کہ آئندہ وہ غلطی کبھی نہ ہو۔ اسامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''مجھے اور ایک انصاری کو ایک دشمن مل گیا۔ جب ہم تلوار سے اُس پر حملہ کرنے لگے تو اُس نے کہا: لا الہ الا اللہ! لیکن ہم نے اُس کی ایک نہ سنی اور اُسے قتل کر دیا۔ جب ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا معاملہ پیشِ خدمت کیا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا:

'اے اسامہ! تم نے اس کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا، تم نے اُسے قتل کر دیا جس نے لا الہ الا اللہ کا اقرار کیا تھا'

ہم نے کہا: 'اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اُس نے تو ڈرتے ہوئے کلمہ پڑھا'







آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'اُسامہ! اس کے بارے میں کیا خیال ہے جو لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لیتا ہے۔' آپ بار بار یہی کہتے رہے۔ حتی کہ میرے دل میں خیال آیا کہ کاش! میں آج سے پہلے مسلمان ہی نہ ہوا ہوتا۔ آج میرے اسلام کا پہلا دن ہوتا اور میں نے اس کو قتل نہ کیا ہوتا۔

پھر میں نے کہا: 'میں اللہ سے عہد کرتا ہوں کہ میں کسی ایسے شخص کو کبھی قتل نہیں کروں گا جس نے لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لیا ہو۔'

اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: 'میرے بعد اے اسامہ؟' اس جملے کا مطلب یہ تھا کہ میرے سامنے، میری موجودگی میں تو یہ اقرار کر رہے ہو، کیا میرے بعد بھی اس عہد کو نبھاؤ گے؟

میں نے عرض کیا: 'آپ کے بعد بھی!'' یعنی یہ محض وقتی یا دکھاوے کا اقرار نہیں' یہ اقرار اور وعدہ آج ہی نہیں بلکہ ہمیشہ پیشِ نظر رہے گا۔ واقعی اُسامہ رضی اللہ عنہ نے اپنا عہد ساری زندگی نبھایا۔

رسول اللہ ﷺ کی اسامہ رضی اللہ عنہ سے محبت نے صحابہ کرام کے دلوں میں بھی آپ کی محبت پیدا کر دی تھی۔ وہ بھی آپ کی عزت کرتے، آپ کو احترام سے نوازتے۔ حتیٰ کہ اکثر آپ کو ''پیارے کا پیارا بیٹا'' کہہ کر پکارتے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، اللہ کے رسول ﷺ فرمایا کرتے تھے: ''اسامہ رضی اللہ عنہم تمام لوگوں سے مجھے زیادہ پیارا ہے۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ وہ تمہارے نیک لوگوں میں سے ہو، اُس کے ساتھ بھلائی کی نصیحت کرنا۔''

جب سیدنا عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے لیے وظائف مقرر کیے تو اسامہ رضی اللہ عنہ کے لیے پانچ ہزار وظیفہ مقرر کیا اور اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کے لیے دو ہزار وظیفہ مقرر کیا۔



عبداللہ ﷛ کہنے لگے: ’’ابا جان! آپ نے اسامہ کو مجھ پر فوقیت دی ہے حالانکہ میں ان جنگوں میں شریک ہوا ہوں جن میں اسامہ شریک نہیں ہوئے۔‘‘

عمر فاروق ﷛ فرمانے لگے: ’’بیٹا! اسامہ اللہ کے رسول ﷺ کے ہاں تجھ سے زیادہ محبوب تھے اور اس کا باپ زید ﷛ اللہ کے رسول کے نزدیک تیرے باپ سے زیادہ محبوب تھے۔‘‘

عبداللہ بن دینار ﷫ کہتے ہیں: عمر ﷛ جب اسامہ ﷛ کو دیکھ لیتے تو ان سے کہتے: ’’اے امیر! السلام علیکم!‘‘

اسامہ ﷛ کہتے: ’’اے امیر المومنین! اللہ آپ کو معاف کرے! آپ مجھے اس طرح پکارتے ہیں (یعنی امیر کہہ کر مخاطب ہوتے ہیں) حالانکہ میں امیر نہیں ہوں۔‘‘



عمر ﷛ جواب میں فرماتے: ’’جب تک میں زندہ رہوں گا، اس نام ہی سے پکاروں گا۔ کیونکہ جب اللہ کے رسول ﷺ فوت ہوئے، اس وقت آپ میرے امیر تھے۔ یعنی لشکر کی سرداری کے عہدے پر فائز تھے۔‘‘

رسول اللہ ﷺ نے حارث بن عمیر ﷛

کو غساسنہ کے بادشاہ کی طرف خط دے کر روانہ کیا۔ موتہ کے مقام پر ان کی ملاقات غساسنہ کے بادشاہ کے گورنر شرحبیل بن عمرو سے ہوئی۔ وہ جنوبی شام کے شہروں کا حاکم تھا۔ اُس نے حارث ؓ سے پوچھا:

''کدھر کا ارادہ ہے؟''

انھوں نے جواب دیا: ''میں رسول اللہ ﷺ کا ایلچی ہوں، غساسنہ کے بادشاہ سے ملنا چاہتا ہوں، اللہ کے رسول ﷺ کا خط اس کو پہچانا ہے۔''

شرحبیل بن عمرو نے یہ سنتے ہی حارث ؓ کو شہید کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی شہادت کی اطلاع ملتے ہی تین ہزار مجاہدین کا لشکر تیار کیا جس کی قیادت اُسامہ ؓ کے والد زید بن حارثہ ؓ کے سپرد ہوئی، موتہ کے مقام پر خوفناک معرکہ ہوا۔ زید بن حارثہ ؓ اس معرکہ میں شہید ہوئے، اسامہ ؓ نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ زید ؓ کی شہادت کے بعد لشکر کی قیادت جعفر ؓ نے کی۔ نبیٔ کریم ﷺ کے عطا کردہ جھنڈے کو بلند کرتے کرتے ان کے دونوں بازو کٹ گئے لیکن جعفر ؓ نے جھنڈا اپنی شہادت تک گرنے نہیں دیا۔ ان کے بعد عبداللہ بن رواحہ ؓ نے جھنڈا پکڑ لیا۔ ان کی دلیرانہ شہادت کے بعد یہ اعزاز خالد بن ولید ؓ کے حصے میں آیا جنھوں نے اپنے تجربے، جنگی مہارت اور قائدانہ صلاحیتوں سے دشمن کو شکست سے دوچار کیا۔

اسامہ ؓ پر اس جنگ نے گہرا اثر ڈالا۔ یہ معرکہ انھوں نے اپنے والد



کے ساتھ مل کر لڑا تھا۔ ان کی آنکھوں کے سامنے دشمن کی تلواریں ان کے باپ پر برسی تھیں۔ انھیں باپ کی شہادت کا غم تو تھا لیکن وہ جانتے تھے کہ انھیں شہادت کی موت نصیب ہوئی ہے، شہید تو زندہ ہوتے ہیں اور وہ اپنے رب سے رزق پاتے ہیں۔ پھر اس جنگ میں صرف وہی شہید نہیں ہوئے تھے بے شمار دوسرے صحابہ کرام نے بھی رتبہ شہادت پایا تھا، البتہ اسامہ رضی اللہ عنہ نے یہ طے کر لیا کہ جب کبھی موقع ملا وہ رومیوں سے اس کا بدلہ ضرور لیں گے۔

ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتا چلا کہ ہوازن، ثقیف اور ان کے قرب وجوار کے قبائل خاص طور پر مالک بن عوف مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاری کر رہے ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قبیلوں کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا۔ تقریباً بارہ ہزار مجاہدین کا لشکر ان قبائل کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوا۔ اسامہ رضی اللہ عنہ اس لشکر میں سب سے آگے آگے تھے۔ ان کی عمر اس وقت سولہ سال تھی۔ میدان جنگ میں شجاعت دکھانے کی یہی عمر تھی۔ اِس دن کا اُن کو بڑے عرصہ سے انتظار تھا۔ کیونکہ ماضی میں کم سن



ہونے کی وجہ سے ان کو میدان جنگ سے واپس کر دیا جاتا تھا۔ لیکن اب وہ اپنے شباب کو پہنچ چکے تھے۔ ماضی میں وہ جنگی چالوں اور مہارت سے ناآشنا تھے لیکن اب وہ جنگی چالوں اور تجربے میں کسی سے پیچھے نہیں تھے۔ وہ بہترین شہسوار تھے، تلوار بازی کے فن میں ماہر تھے اور نیزہ پھینکنے میں بھی کمال حاصل کر چکے تھے۔

یہ معرکہ جس میں وہ شریک تھے ''غزوہ حنین'' تھا۔ جنگ شروع ہوئی مسلمانوں کے دل میں اپنی تیاری اور زیادہ تعداد کی بنا پر فتح کا یقین غالب آ چکا تھا، حتی کہ بعض نے یہ بھی کہہ دیا کہ آج کوئی ہم پہ غالب نہیں آ سکتا۔ لیکن جنگ کے آغاز ہی میں دشمن نے مسلمانوں کو پیچھے کی طرف دھکیل دیا۔ پیچھے ہٹنے والے مسلمانوں سے آپ ﷺ فرمانے لگے:

''لوگو! کدھر جا رہے ہو؟ میری طرف واپس آؤ، میں اللہ کا رسول ہوں میں محمد بن عبداللہ ہوں۔ میں کوئی جھوٹا نبی نہیں ہوں، میں عبدالمطلب کی اولاد سے ہوں۔''

یہ بہت نازک اور مشکل وقت تھا۔ مسلمانوں پر آزمائش آ چکی تھی۔ مسلمان مجاہد پسپا ہو رہے تھے۔ اس مشکل گھڑی میں چند صحابہ کرام نے یہ عہد کر لیا کہ کچھ بھی ہو جائے، وہ اللہ کے رسول ﷺ سے پیچھے نہیں ہٹیں گے۔

ان لوگوں میں اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ دیگر صحابہ کرام میں سیدنا ابوبکر



سیدنا عمر فاروق، سیدنا علی بن ابی طالب، عباس بن عبدالمطلب، ابوسفیان بن حارث فضل بن عباس، ربیعہ بن حارث اور ایمن بن عبید رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ یہ جنگ اسامہ رضی اللہ عنہ کے لیے ایک امتحان تھی۔ وہ بہت ثابت قدمی کے ساتھ ڈٹے رہے۔ آگے بڑھ بڑھ کر دلیری سے لڑتے رہے۔ ان کی شہسواری اس دن قابلِ دید تھی۔ کسی نے بھی ان کے قدم پیچھے ہٹتے نہیں دیکھے۔ یہ جنگ ان کی شجاعت اور بہادری کا منہ بولتا ثبوت تھی اور اس امر کا اظہار بھی کہ ایک عظیم قائد جنم لے چکا ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جنگ مؤتہ میں شہید ہونے والوں کو ابھی تک نہیں بھولے تھے۔ بس موقع کے منتظر تھے کہ کب اللہ تعالیٰ کوئی مناسب وقت لائے اسلامی لشکر تیار ہو اور جنگ کا میدان سجے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ مبارکہ تھی کہ جب کبھی جنگ پر جانے کا ارادہ فرماتے تو نہ تو جگہ کا یعنی ہدف کا تعین فرماتے اور نہ یہ ظاہر کرتے کہ کس طرف کا ارادہ ہے لیکن اس بار غزوہ کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی اعلان



فرما دیا کہ اس بار کدھر اور کس سے جہاد کا ارادہ ہے۔ تمام مسلمانوں نے جہاد کی پکار پر لبیک کہا۔ ان میں اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ بہادر باپ کی شہادت کا منظر ایک پل کے لیے بھی ان کی نگاہوں سے جدا نہیں ہوتا تھا۔ ان کے باپ پر تلواریں برس رہی تھیں اور وہ بڑی جواں مردی سے مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔ ابھی اسامہ رضی اللہ عنہ معرکہ میں شرکت کی تیاریوں میں مصروف تھے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تلاش میں ایک آدمی کو بھیجا۔ پیغام ملتے ہی اسامہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنے پاس بٹھالیا اور کچھ وعظ و نصیحت کے کلمات کہے اور فرمایا: ''اپنے باپ کے شہید ہونے کی جگہ کی طرف چلو، میں نے تمھیں اس لشکر کا امیر بنا دیا ہے۔'' اس وقت اسامہ رضی اللہ عنہ کی عمر انیس سال تھی۔ جب کچھ صحابہ کرام کو اسامہ رضی اللہ عنہ کی امارت (سرداری) کا پتا چلا تو وہ حیرت سے ایک دوسرے سے پوچھنے لگے:

''اس چھوٹے جوان کو کیوں امیر مقرر کیا گیا ہے حالانکہ صحابہ کرام میں وہ لوگ بھی موجود ہیں جو ان سے بڑھ کر عقل مند اور دانا ہیں، انھیں دشمنوں سے لڑنے کا زیادہ تجربہ ہے، جنگی چالوں میں ان کی مہارت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے، جیسے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان میں وہ صحابہ بھی موجود ہیں جو غزوۂ بدر اُحد اور حنین میں شریک ہوئے تھے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی باتیں سنیں جو وہ اسامہ رضی اللہ عنہ کی امارت کے



بارے میں کر رہے تھے۔ آپ ﷺ بیمار تھے، لیکن آپ ﷺ اسی حال میں مسجد میں تشریف لے گئے، منبر پر چڑھے اور اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: ''اے لوگو! میں نے تمہاری مختلف باتیں سنی ہیں جو تم نے اسامہ کے متعلق کہی ہیں، حالانکہ اس کو امیر میں نے مقرر کیا ہے۔ تم نے میرے بنائے ہوئے امیر پر اعتراض کیا اس سے پہلے تم نے اس کے باپ کی امارت پر اعتراض کیا تھا۔ اللہ کی قسم! وہ بھی امارت کے مستحق تھے اور اس کا بیٹا اسامہ بھی امارت کا حق دار ہے۔ (اگرچہ اور لوگ بھی موجود ہیں لیکن وہ مجھے لوگوں میں سب سے پیارا ہے۔ دونوں باپ بیٹا نیکی کے بادل ہیں، اس کے ساتھ خیر کا معاملہ کرو، وہ تمہارے بہترین لوگوں میں سے ہے)۔'' رسول اللہ ﷺ اتنا فرمانے کے بعد گھر واپس آ گئے۔ ان دنوں آپ ﷺ کا قیام سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تھا۔



اسامہ رضی اللہ عنہ جرف نامی مقام پر پہنچ گئے تھے تو انھیں خبر ملی کہ رسول اللہ ﷺ کا مرض شدید ہو گیا ہے۔ چنانچہ وہ دیگر مسلمانوں کے ساتھ واپس آ گئے۔ آپ ﷺ مرض کی حالت میں بھی یہی

فرما رہے تھے:

''اسامہ کے لشکر کو روانہ کرو!''

اتوار کے دن وفات سے قبل اسامہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور قریب ہو کر اپنا سر جھکا دیا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بوسہ دیا۔ لیکن کوئی بات نہ کی بلکہ آسمان کی طرف ہاتھ بلند کرتے اور پھر اسامہ رضی اللہ عنہ پر رکھ دیتے۔ اسامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جان گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لیے دعا کر رہے ہیں۔

اسامہ رضی اللہ عنہ دوبارہ لشکر کی طرف واپس آ گئے۔ پھر سوموار کے دن انھوں نے دوبارہ حاضری دی۔ اس وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت کافی بہتر تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کا نام لے کر جہاد کے لیے روانہ ہو جاؤ۔'' چنانچہ اسامہ رضی اللہ عنہ نے الوداع کہتے ہوئے لشکر کا رُخ کیا۔ ابھی لشکر جانے کی تیاری میں تھا کہ اچانک اسامہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا کی طرف سے ایک ایلچی آ پہنچا اور پیغام دیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں، چنانچہ اسامہ سیدنا عمر اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہم واپس لوٹے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم داعی اجل کو لبیک کہہ چکے تھے۔ باقی لوگوں نے بھی مدینہ کا رُخ کر لیا۔ یہ پیر کا دن تھا اور ربیع الاول کی بارہ تاریخ تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے



خلیفۂ اول بنے لیکن ان کے خلیفہ بننے کے فوراً بعد حالات بہت بگڑ گئے۔ طرح طرح کے فتنے سر اُٹھانے لگے۔ مدینہ کے اردگرد کے بے شمار قبائل مرتد ہو گئے یعنی دین سے پھر گئے۔ کئی لوگوں نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نازک دور میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ ابھی اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو روانہ نہ کیا جائے۔ لیکن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس مشورے کو بڑی سختی کے ساتھ یہ کہتے ہوئے رد کر دیا:

''اللہ کی قسم! جو گرہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم باندھ گئے ہیں، میں اس کو کبھی نہیں کھولوں گا۔ خواہ حالات جس قدر بھی بُرے ہوں۔ اگرچہ پرندے ہمیں نوچ لیں اور درندے مدینہ کے اردگرد جمع ہو جائیں، میں ضرور اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو روانہ کروں گا۔''



آخر کار لشکر کو روانہ کیا گیا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خود پیدل ساتھ چل پڑے۔ اسامہ رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار تھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ پا پیادہ ان کے ساتھ دوڑے چلے جا رہے تھے۔ یہ ان کی عاجزی اور انکساری تھی اور اسامہ رضی اللہ عنہ سے ان کی

محبت کا ثبوت تھا۔ لیکن اسامہ رضی اللہ عنہ کو یہ بات اچھی نہ لگی کہ وہ خود تو سوار ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہترین ساتھی پیدل چلیں۔ انھوں نے گزارش کی:

''اللہ کی قسم! آپ سوار ہو جائیں، ورنہ میں نیچے آ جاؤں گا، آپ سوار نہیں ہوں گے تو میں بھی سوار نہیں ہوں گا۔''

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بار بار فرماتے رہے: ''اللہ کی قسم! آپ نہ اُتریں میں چاہتا ہوں کہ میرے پاؤں بھی اللہ کی راہ میں کچھ دیر کے لیے غبار آلود ہو جائیں۔'' پھر اسامہ رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگے:

''اگر آپ میری مدد عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ فرما دیں تو آپ کی بہت مہربانی ہوگی۔ انھیں آپ مدینہ میں میرے ساتھ رہنے دیں۔''

اسامہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں رہنے کی اجازت دے دی۔ یہ سب اس دین کی بدولت تھا۔ امیر المومنین پیدل چل رہے تھے اور خادم اپنی سواری پر تھا۔ یہ بات یقیناً ان کے ذہن میں تھی کہ یہ چیزیں عزت کو کم نہیں کرتیں بلکہ عزت کو بڑھاتی ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب اور مسلمانوں کے حاکم، اسامہ رضی اللہ عنہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں چھوڑنے اور رکنے کی اجازت طلب کر رہے ہیں جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام کے بیٹے تھے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اگر چاہتے تو حاکم کی حیثیت سے انھیں حکم دے سکتے تھے لیکن یہ کم سن نوجوان، سیاہ رنگ، غلام کا بیٹا...... اب لشکر کا امیر ہے۔ کسی



کو جرأت نہیں جو ان کے حکم کی نافرمانی کر سکے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ وہ عظیم صحابی ہیں جن سے شیطان بھی ڈرتا تھا لیکن آج وہ بھی اس امیر کے ماتحت ہو گئے تھے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر کیا تھا۔ اگر اسامہ رضی اللہ عنہ اجازت دینے سے انکار کر دیتے تو سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمرِ فاروق رضی اللہ عنہما یہی کہتے کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔

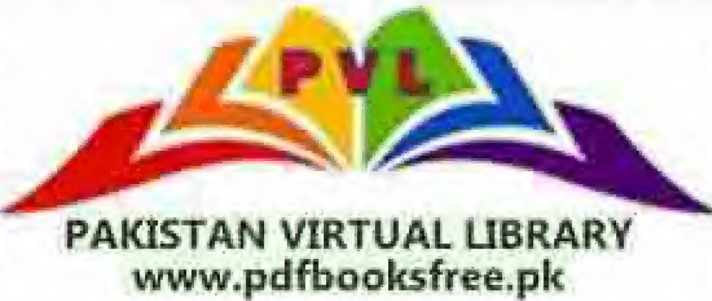
سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اسامہ رضی اللہ عنہ کو وصیت کی کہ یہ بات یاد رکھنا کہ اصل قوت اور طاقت اللہ تعالیٰ کی تابعداری میں ہے۔ یوں اسامہ رضی اللہ عنہ دعاؤں کے سائے میں رخصت ہوئے۔

میدان جنگ میں ان کے جذبوں کی اصل آزمائش ہوئی۔ حکمت، مہارت اور شجاعت کا ہر پہلو نکھر کر سامنے آیا۔ یہ ایک خونیں معرکہ تھا۔ ہر طرف آگ وخوں نظر آتا تھا۔ مسلمانوں کی تلواریں دشمنوں پر بجلیوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ نیزے جسموں کے پار ہوئے جاتے تھے۔ ایمان کے جذبوں سے لڑی جانے والی جنگ میں مسلمان بالآخر فتح سے ہمکنار ہوئے۔



دشمنوں کا سالار میدان چھوڑ کر بھاگ گیا، اس کی بے شمار سپاہ موت کے گھاٹ اتری اور کتنے ہی لوگ قید ہوئے۔ بے تحاشا مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ اسامہ ؓ کثیر مالِ غنیمت لے کر مدینہ منورہ پہنچے تو مدینہ کے لوگ ان کے استقبال کے لیے نکلے۔ امیر المومنین ابوبکر صدیق ؓ سب سے آگے تھے۔ اسامہ ؓ جب مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو سب سے آگے آگے بُرَیدَہ بن حُصَیب ؓ جھنڈا اُٹھائے ہوئے تھے۔ سب نے مسجد نبوی میں دو رکعت شکرانے کے نوافل پڑھے اور پھر گھروں کا رخ کیا۔

اسامہ ؓ ... ب ہو گیا، کچھ تو خوفزدہ ہو کر ... ی راہوں میں دھکیل دیا۔ با ... کی اطاعت پر



آمادہ ہو گئے۔ شام میں فتح حاصل کر کے اسامہ ؓ نے اپنی شجاعت اور فہم و فراست کو منوالیا۔

اسامہ بن زید ؓ دل کے نہایت نرم اور رشتوں کے احترام کا بہت زیادہ خیال رکھنے والے تھے۔ ان کی عملی زندگی جہاں شجاعت سے بھرپور تھی وہاں وہ خود سے تعلق رکھنے والوں سے بھرپور نیکی کرتے تھے۔ اپنی والدہ کے ساتھ بہت زیادہ نیکی سے پیش آتے تھے۔ ہمیشہ ان کی فرمانبرداری کی، انھوں نے اللہ کے رسول ﷺ کی یہ وصیت سن رکھی تھی: ”والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا بالخصوص





ماں کا خیال رکھنا، ہر حالت میں ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔''

محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اسامہ رضی اللہ عنہ کے ہاں کھجور کا ایک درخت تھا، جس کی قیمت تقریباً ایک ہزار درہم تھی۔ آپ نے اس کو کاٹا اور اس میں سے گودا نکال کر اپنی والدہ محترمہ کو کھلایا۔ کسی نے آپ سے پوچھا:

''آپ نے ایسا کیوں کیا ہے، حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ کھجور کے اس درخت کی قیمت ایک ہزار درہم تک پہنچ چکی ہے؟''

اسامہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''میری ماں نے مجھے اس کے متعلق کہا تھا۔ اگر مجھ میں طاقت ہوئی تو میری ماں مجھ سے جو مانگے گی، میں اسے ضرور لا کر دوں گا۔''

اسامہ رضی اللہ عنہ نے مجاہدانہ زندگی بسر کی۔ بچپن سے جہاد کا جو پودا اُن کے دل میں پروان چڑھ رہا تھا، اس نے انھیں عزیمت کی راہیں دکھائیں۔ جہاد کی منادی سنتے ہی اپنی تلوار پکڑتے، زرہ پہنتے اور گھوڑے پر سوار ہو کر حق کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے حاضر ہو جاتے۔ دل میں شہادت کی تمنا بسائے ہوئے وہ



جنگوں میں شرکت کرتے۔ شہادت کی موت تو انھیں نصیب نہ ہوئی لیکن سعادت کی زندگی ضرور ان کا مقدر بنی۔ 75 سال کی عمر میں آپ نے مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ طلوع آفتاب سے قبل انھیں جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ آپ کی بزرگی، تقویٰ اور عزیمت تاریخ کے اوراق پر ہمیشہ کے لیے نقش ہوگئی۔





وفا کا پیکر

وہ ایک غلام کے بیٹے تھے
لیکن اُن کی خوش بختی کا کیا کہنا کہ اُنہیں
دنیا کے بہترین رہبر ملے۔ اور اس کے لیے......
محبت، شفقت اور تربیت کے خزانوں کے منہ کھل گئے
اور تربیت کا یہ دور...... سالاری پر ختم ہوا
وفا کا پیکر...... اللہ کے رسول ﷺ سے عہدِ وفا
نبھانے والے ایک بچے کی کہانی
جس کو رہبرِ اعظم ﷺ کی رہبری ملی
یوں دنیا و آخرت کی کامیابیاں اُس کے دامن میں آن گریں
اُنہوں نے اپنی شجاعت، حکمت اور فہم و فراست سے
کارہائے نمایاں سرانجام دیے
اور اپنے رہبر کے انتخاب کو درست ثابت کر دیا
عزیمت کے سفر کی خوبصورت کہانی ''وفا کا پیکر''



دارُالسلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور • کراچی
اسلام آباد • لندن • ہیوسٹن • نیویارک